یادوں کے چراغ
سلسلۂ مضامین

مجاہد الحسینی

مجلسِ احرار، قائدِ اعظم اور مسلم لیگ

اخی المحترم مولانا سمیع الحق صاحب زید فضلہٗ
مدیر الحق۔ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے مؤقر جریدے الحق کا شمارہ ۱۰ بابت ماہ رمضان المبارک نظر سے گذرا جس میں مکتوب دہلی " جگ بیتی اور آپ بیتی " کے زیرِ عنوان بزرگانِ احرار اور مسٹر جناح کی ذیلی سرخی کے تحت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ذاتِ گرامی اور مجلس احرار اسلام کی بابت غلط باتیں منسوب کر کے حقائق کو مسخ کرنے اور تاریخی صداقت کو جھٹلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مضمون پر اظہارِ خیال بروقت کر دیا گیا تھا مگر حج بیت اللہ شریف کی باسعادت مصروفیت کے باعث اسے آپ کی خدمت میں تاخیر کے ساتھ ارسال کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔

اول تو میری نگاہ میں اس مکتوب دہلی کی الحق میں اشاعت ہی محلِ نظر ہے۔ خاص طور سے ملک کی نازک اور سنگین صورتِ حال کے دوران احرار اور مسٹر جناح کو بلا ضرورت موضوعِ بحث بنانے کی کوشش چہ معنی دارد؟ کیونکہ دور از کار بحثیں چھیڑنے اور غیر موزوں باتوں سے تلخیاں بڑھتیں اور غلط فہمیاں گھر کر لیتی ہیں پھر برسوں کی محنت شاقہ سے بھی ان کا ازالہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ مکتوب دہلی میں ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران پیش آمدہ ایک واقعے کو کسی سیاق و سباق کے بغیر پیش کر کے پرسکون ماحول میں سنسنی پیدا کرنے اور پرامن فضا کو مکدر کرنے کی دانستہ یا نادانستہ کوشش کی گئی ہے۔

خان کابلی صاحب نے اپنے مکتوب دہلی میں دو باتیں خلاف واقعہ تحریر فرمائی ہیں ان میں ایک یہ کہ " مجلس احرار کے قلندر قسم " کے بیباک رہنماؤں نے کبھی بھی مسٹر جناح سے ملنے کی خواہش و کوشش نہیں کی تھی۔

اور ثانیاً ۔ یہ کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران مسٹر جسٹس منیر احمد نے حضرت امیر شریعت سے دریافت کیا تھا کیا آپ نے قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم کہا تھا ؟ تو سید بخاریؒ نے جواب میں فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے کہا تھا ۔

مکتوبِ دہلی کی یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ ہیں ۔

ان میں سے جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے میرے پاس قائدین احرار (چوہدری افضل حق، چوہدری عبدالعزیز بیگووال، مولانا سید داؤد غزنوی اور شیخ حسام الدین امرتسری کے مشترکہ مکتوب مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء (بزبان انگریزی کی نقل موجود ہے جو انہوں نے قائدِ اعظم کی خدمت میں ارسال کیا تھا ۔ قائدینِ احرار نے اس میں قائدِ اعظم کی تجاویز پر آل انڈیا احرار سنٹرل کمیٹی میں غور کرنے کا یقین دلایا تھا ۔ علاوہ ازیں احرار و مسلم لیگ کے رہنما ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفادات کی خاطر مختلف سماجی کاموں میں مشترکہ لائحہ عمل اختیار کیا کرتے تھے ۔ جیسا کہ بنگال اور بہار کے مصیبت زدہ انسانوں کی امداد کے لئے ان حضرات نے باہم اشتراک و تعاون کی صورت میں خدمات انجام دی تھیں ۔

یہ لوگ ہمہ وقت متحارب نہیں بلکہ معاون بھی ہوا کرتے تھے ۔ اور بہت سے مسائل میں باہم گفت و شنید اور ملاقاتیں بھی کیا کرتے تھے ۔ خود غازی کابلی صاحب نے اپنے اس مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ " ایک مرتبہ لاہور کے فلیٹی ہوٹل میں قائدِ اعظم سے مولانا مظہر علی اظہر کی ملاقات ہوئی اور اس ملاقات میں وہ خود بھی شریک تھے ۔ اس ملاقات میں قائدِ اعظم نے مولانا مظہر علی اظہر سے فرمایا تھا کہ مجھے پنجاب میں صرف آپ کی ضرورت ہے اور کسی کی نہیں ۔
اس پر مولانا مظہر علی اظہر نے جواب دیا تھا کہ میں اپنے احرار ساتھیوں کو کسی حالت میں بھی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوں ۔ اس پر مایوس ہو کر مسٹر جناح نے مسٹر برکت علی اور دوسرے لوگوں کو اپنا ساتھی بنا لیا "

خان غازی کابلی صاحب احرار اور قائدِ اعظم کی ملاقاتوں کی نفی کر کے آخر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں ؟ قائدِ اعظم کے ساتھ ملاقات سے احرار رہنما اگر اتنے ہی " اچھوت " تھے تو پھر انہوں نے ایسے رہنما کو خط لکھ کر ان کی تجاویز پر غور کر کے فیصلہ کرنے کی یقین دہانی کیوں کرائی تھی ؟ اور مولانا مظہر علی اظہر فلیٹی ہوٹل میں ان سے کیوں ملے تھے ؟

مجلس احرار ہی کے ایک سابق رہنما جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم نے پاکستان کے سابق صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے نام اپنے ایک مکتوب میں فخریہ طور سے لکھا تھا کہ انہوں نے قائدِ اعظم کی تعریف و توصیف میں کئی سو مضامین اور نظمیں لکھی ہیں ۔

مجلس احرار کے رہنماؤں نے قائدِ اعظم کے علاوہ دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کی ہیں اور یہ ایک اچھی مثال ہے ۔

قیام پاکستان کے بعد احرار رہنماؤں میں سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ۔ ماسٹر تاج الدین انصاریؒ۔ شیخ حسام الدینؒ اور دوسرے حضرات نے مسلم لیگی ارباب اقتدار خواجہ ناظم الدینؒ۔ قائد ملت لیاقت علی خاں شہیدؒ۔ سردار عبدالرب نشترؒ۔ محمد علی چوہدری۔ مسٹر چندریگرؒ۔ نواب افتخار حسین ممدوٹؒ۔ میاں ممتاز دولتانہ۔ میر خلیل الرحمٰنؒ۔ مولانا میاں عبدالباریؒ۔ صوفی عبدالحمیدؒ۔ سردار عبدالحمید دستی اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کی تھیں اور ان کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے جیسا کہ ۱۹۵۱ء کے انتخابات کے موقع پر جب کہ پنجاب مسلم لیگ نے مختلف انتخابی حلقوں میں چار قادیانیوں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے ٹکٹ دے دیئے تھے۔ تو اس پر مجلس احرار کے رہنماؤں نے مسلم لیگی قیادت پر اس کے دینی، ملی اور سیاسی نقصانات واضح کرتے ہوئے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر مسلم لیگ ان چار حلقوں سے قادیانیوں کو اپنی نمائندگی سے محروم کر دے اور مسلم لیگ کے ٹکٹ ان سے واپس لے کر کسی بھی مسلمان کو اپنا نمائندہ قرار دے دے تو مجلس احرار پورے ملک میں مسلم لیگ کے تمام نمائندوں کی حمایت کرے گی۔ لیکن اگر مسلم لیگ نے ان قادیانیوں سے ٹکٹ واپس نہ لئے تو مجلس احرار ان حلقوں میں مرزائی امیدواروں کی سخت مخالفت کرکے انہیں شکست دے گی۔ چنانچہ مسلم لیگ اور مجلس احرار کے درمیان ایک دینی اور ملی مسئلے پر چپقلش کی صورت پیدا ہوگئی۔ جبکہ انتخابی معرکہ آرائی شروع ہوگئی تھی۔ ادھر پاکستان مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل اور وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی شہید پنجاب میں اپنی جماعت کے نمائندہ مولوی عصمت اللہ مرزائی (جسے مسلم لیگ نے چک جھمرہ ضلع فیصل آباد کے حلقہ سے نمائندگی کا ٹکٹ دیا تھا) کی حمایت میں انتخابی تقریر کرنے فیصل آباد کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ گئے تھے۔ چک جھمرہ کے حلقے میں مسلم لیگ کے مرزائی امیدوار کے انتخابی پروپیگنڈے کے لئے لیاقت علی خاں شہید کا پروگرام طے ہو چکا تھا اور خوب شان و شوکت کے ساتھ تیاریاں مکمل کی تھیں۔ قائد ملت لیاقت علی خاں ریلوے اسٹیشن فیصل آباد میں اپنے سیلون میں مقیم تھے۔ دوسرے روز انہیں اپنے حلقہ چک جھمرہ جانا تھا کہ احرار رہنما مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے آپ سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کے قادیانی نمائندوں کے دینی۔ ملی اور سیاسی نقصانات سے انہیں آگاہ کیا۔ اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا واسطہ دے کر جب قاضی صاحب نے پورے ملک میں مسلم لیگ کے لئے اپنی خدمات پیش کیں تو قائد ملت خان لیاقت علی شہید نے فرمایا کہ اس مرحلے میں مسلم لیگ ان نمائندوں سے ٹکٹ تو واپس نہیں لے سکتی۔ البتہ اسلام اور ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفاد کی خاطر قادیانیوں کے حق میں انتخابی پروپیگنڈے کا پروگرام منسوخ کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ قائد ملت فیصل آباد ریلوے اسٹیشن ہی سے کراچی واپس تشریف لے گئے۔ نتیجۃً مسلم لیگ کے تمام مرزائی امیدوار شکست کھا گئے۔

بہر نوع یہ بتانا مقصود ہے کہ احرار اور مسلم لیگی رہنماؤں کی باہمی ملاقاتوں کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا ہے۔ ان

ملاقاتوں کے نہایت اچھے اثرات مرتب ہوتے رہے ہیں اور "قلندر قسم" کے ان لوگوں نے باہم دگر ملاقاتوں سے کبھی گریز نہیں کیا تھا۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے جو ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت اور حضرت امیر شریعت سے متعلق ہے چونکہ اس تحریک کے دوران مجھے لاہور سنٹرل جیل میں قریباً ایک سال حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دوسرے اکابر احرار کی رفاقت اور خدمت کا شرف حاصل رہا ہے اور موضوع بحث واقعے کا بھی میں عینی شاہد ہوں اس لئے حقائق پیش کر کے غلط فہمی دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں رونما ہونے والے واقعات کی تحقیقات کے لئے حکومت کے قائم کردہ کمیشن کے چیئرمین مسٹر جسٹس منیر احمد نے حضرت امیر شریعت سے قائد اعظم کی ذات کے بارے میں کسی نوعیت کا قطعاً کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

دوسرے علماء کرام کی طرح شاہ صاحب بھی کئی روز تک کمیشن کے روبرو پیش ہوتے رہے اور جیل میں واپسی پر اپنے رفقاءِ قید حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلس عمل و خطیب جامع مسجد وزیر خان لاہور، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا عبدالحامد بدایونی کراچی۔ مولانا محمد حیات فاتح قادیان۔ مظفر علی شمسی۔ شیخ حسام الدین۔ ماسٹر تاج الدین انصاری۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن سجادہ نشین آلو مہار شریف اور دوسرے حضرات کے سامنے روزانہ کے مسائل اور واردات و تاثرات بیان فرمایا کرتے تھے۔

اسی دوران آپ نے بتایا کہ مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) منیر احمد صاحب نے دیگر امور کے ساتھ ساتھ آج مجھ سے یہ بھی دریافت کیا۔

شاہ صاحب۔ آپ نے مرزا غلام احمد کو کافر کہا ہے؟

میں نے بتایا کہ مسٹر جسٹس! آج جو سوال آپ نے کیا ہے انگریزی دورِ اقتدار میں اسی کرسی پر جہاں آپ بیٹھے ہیں انگریز جج مسٹر ینگ براجمان تھے۔ غالباً ہائی کورٹ کا یہی کمرہ تھا۔ تو مسٹر ینگ نے مجھ سے یہی دریافت کیا تھا میں نے اس وقت بھی یہی جواب دیا تھا اور اب بھی کہتا ہوں کہ مرزا غلام احمد متنبی قادیان کو میں کافر اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں اسے کافر کہتا ہوں اور جب تک زندہ رہوں گا اسے اور اس کی ذریت کو کافر کہتا اور سمجھتا رہوں گا۔ یہ تو میرے دین و ایمان کا معاملہ ہے کیونکہ حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے اس عقیدے پر پوری ملتِ اسلامیہ کا اجماع ہے۔ ہماری چودہ برس کی تاریخ میں کسی بھی اسلامی مملکت نے جھوٹے مدعیان نبوت کا وجود برداشت نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کی ذریت کو نبوتِ کاذبہ کی تبلیغ و اشاعت کی کبھی اجازت

دی گئی ہے۔

سینکڑوں سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا کورٹ کا یہ کمرہ میرے ان جملوں پر دادِ تحسین کی ایک مشترکہ آواز سے گونج اٹھا۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔کہ مجمع کے تاثرات دیکھ کر جناب منیر صاحب سے نہ رہا گیا۔چنانچہ انھوں نے نہایت تحکمانہ لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔

شاہ صاحب! ذرا احتیاط کے ساتھ بات کریں یہ کوئی موچی گیٹ نہیں ہے۔

میں نے برجستہ جواب دیا۔جنابِ والا! میں تو اپنا عقیدہ بیان کر رہا ہوں اور اپنے دین و ایمان کا اظہار میرا دینی فریضہ ہے خواہ موچی گیٹ میں ہو یا عدالت کے کمرہ میں۔

اور مجمع سے پھر اسی انداز سے تحسین کی صدا بلند ہوئی۔حضرت امیر شریعت نے منیر انکوائری کمیشن کے روبرو پیشی سے واپسی پر اپنے تاثرات و واردات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ متواتر کئی روز سے کمیشن کے روبرو ہونے والے علمائے کرام اور دینی رہنما منیر صاحب کے رویّے اور طرزِ عمل کی بابت شکایت کناں تھے کہ وہ غیر متعلقہ سوالات کرکے علمائے کرام کو الجھانے اور رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس وقت کی جماعتِ اسلامی کے رہنما مولانا امین احسن اصلاحی۔معروف صحافی مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش۔مولانا عبدالحامد بدایونی اور دیگر حضرات کے ساتھ جو سلوک کیا گیا ہے وہ کوئی اچھی بات نہیں۔آج مجھ سے بھی نوک جھونک ہوئی مگر میں نے تو یہ سلسلہ وہیں منقطع کر دیا۔

کمیشن کے فاضل اراکین کو علمائے کرام کے ساتھ اہانت آمیز یا تحقیر و تذلیل کا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔بلکہ پوری غیر جانب داری اور صبر و تحمل کے ساتھ ہر شخص کا عقیدہ سننا چاہئے۔ختم نبوت کی بابت اظہارِ عقائد کو موچی گیٹ کی گفتگو قرار دینا کسی جج اور منصف کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مولانا مظہر علی اظہر کی تلخ بیانی کا پس منظر

اسی اثنا میں احرار کے ایک سابق رہنما مولانا مظہر علی اظہر (جو احرار کو قیام پاکستان سے بہت پہلے چھوڑ چکے تھے) بھی دیگر وکلاء کے دوش بدوش مجلس عمل کے ایک وکیل کی حیثیت سے منیر کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کے ساتھ بھی وہی اہانت آمیز سلوک ہوا جو دوسرے علما کے ساتھ کیا گیا تھا۔

منیر صاحب نے مولانا مظہر علی اظہر سے دریافت کیا۔مولانا آپ نے کس زمانے میں قائدِ اعظم کو کافر کہا تھا؟

مظہر علی۔جنابِ والا۔قائدِ اعظم دنیا سے رخصت ہوگئے ہیں میرا ان سے اختلاف زندگی میں تھا۔اب وہ

اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اس وقت ان کی ذات کے بارے میں آپ کو کوئی سوال نہیں کرنا چاہئے۔ چونکہ آپ کا دائرۂ کار صرف تحریک تحفظ ختم نبوت کے دوران فسادات پنجاب کے اسباب و عوامل معلوم کرنا ہیں اس لئے آپ صرف موضوع سے متعلق ہی سوالات دریافت فرمائیں تو بہتر ہے۔

مظہر علی۔ جناب والا۔ اس سوال کا تحریک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی دینی یا ملی و ملکی فائدے کی بات نظر آتی ہے۔

اس پر جناب منیر صاحب کے لہجے میں درشتی اور تلخی پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے سوال کے جواب پر زور دے کر اصرار کیا۔

مولانا مظہر علی نے بتایا جب مجھے مجبور کر دیا گیا تو میں نے اس غیر متعلقہ سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا

جناب والا! آپ کے شدید اصرار پر میرا جواب یہ ہے کہ جناب قائد اعظم محمد علی جناح نے جن دنوں سول میرج کے تحت رتن بائی نامی ایک پارسی عورت کے ساتھ نکاح کیا تھا تو میں نے ان دنوں لاہور کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کے دوران مسٹر جناح سے اس صورت کی وضاحت چاہی تھی۔ میں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ سول میرج کے تحت فریقین کو عدالت میں چونکہ یہ بیان دینا پڑتا ہے کہ وہ کسی دین و مذہب کے پابند نہیں ہیں اس لئے سول میرج کے قانون کے تحت دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو رہے ہیں۔ چنانچہ تقریر کے دوران ہی احرار کے مشہور شاعر اور خطیب نے مجھے کاغذ پر یہ شعر لکھ کر دیا ؎

اک کافرہ عورت کے لئے دین کو چھوڑا
یہ قائدِ اعظم ہے، کہ ہے کافرِ اعظم

یہ شعر میں نے مجمع عام میں پڑھ دیا۔ یہ ایک استفہامیہ شعر ہے کسی عالم دین کا فتویٰ نہیں۔ چونکہ مسٹر جناح نے میری وضاحت طلبی کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور نہ ہی انہوں نے سول میرج کی شادی کے اقدام کی کوئی توجیہہ پیش کی تھی اس لئے میں اب بھی اپنے شعری موقف پر قائم ہوں۔

اس پر جناب ریٹائرڈ جسٹس منیر احمد صاحب نے غضب ناک لہجے میں کہا۔

مسٹر مظہر علی۔ آپ کو پتہ ہے کہ ایسی بات کہنے والے قتل ہو جایا کرتے ہیں۔

مظہر علی اظہر۔ جناب والا! کیا آپ کے ان جملوں سے میں یہ سمجھوں کہ آپ لوگوں کو میرے قتل کے لئے اکسا رہے ہیں؟ لیکن میرا ایمان ہے مارنے والوں سے بچانے والی ذات کے ہاتھ زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہیں۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے تحقیقاتی کمیشن کے روبرو پیش ہونے کے بعد مجھے بتایا۔ شاہ جی آپ بھی کئی دنوں سے جو کچھ محسوس کر رہے تھے۔ آج میرے ساتھ بھی وہی پیش آیا۔ تحقیقاتی کمیشن

کا دائرہ کار اب علماء کرام اور دینی رہنماؤں کو لوگوں کے سامنے رسوا کرنا اور انہیں مختلف مسائل میں الجھانے تک محدود رہ گیا ہے۔

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح کی ذات کے بارے میں ایسے غیر متعلق سوال کرنے کا منشا یہ تھا کہ میں نے قیام پاکستان سے بہت پہلے اپنے سیاسی اختلافات کے سلسلے میں قائد اعظم کی بابت جو جملے کہے تھے اب وہ انہیں دہرانے کی جرأت نہ کر سکے گا کہ اب یہاں ان کی حکومت قائم ہو گئی ہے۔

اس پر لوگوں کو یہ تاثر دیا جا سکے گا کہ ان مولوی صاحبان کا کیا ہے جب تک کسی شخص کی حکومت قائم نہیں ہوتی اس وقت تو اس کے خلاف کفر کے فتوے صادر کیا کرتے ہیں۔ مگر جب اس شخص کی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو پھر اپنے فتوے کو یکسر نظر انداز کر کے اسی کو اپنا مقتداء و پیشوا ماننے کے لئے رطب اللسان ہوتے ہیں۔ چنانچہ مرزائیوں اور قادیانیوں کی بابت ان کے کفر کے فتووں کی حیثیت بھی یہی ہے کہ جب تک مرزائیوں قادیانیوں کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی یہ علماء کرام انہیں کافر کافر پکاریں گے۔ مگر جب ان کی حکومت قائم ہو جائے گی تو قائد اعظم کی طرح ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جائیں گے۔ درحقیقت ان کے فتووں کی حیثیت کچھ نہیں یہ لوگ تو اقتدار کے پجاری ہیں اور حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ اپنا موقف تبدیل کرنے والے موقع پرست!

مولانا مظہر علی اظہر نے کہا کہ اس تاثر کو زائل کرنے اور منیر صاحب کے منشاء کو سمجھتے ہوئے میں نے ٹھیک جواب دیا تھا۔ کہ کفر کا فتویٰ یا کسی کی بابت دینی عقیدے کا اظہار وقتی مصلحتوں، ضرورتوں اور تقاضوں کا مرہون منت نہیں ہوتا۔ بلکہ فکر و نظر کا معاملہ تو ہمہ وقت اور دائمی صورتوں سے تعلق رکھتا ہے۔ عقیدہ اور ایمان کسی کے اقتدار و عدم اقتدار سے متعلق نہیں ہوتا۔ علماء کرام اور دینی رہنما اسلامی عقاید و نظریات کے تحفظ کے سلسلے میں اگر کسی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو اس کی حیثیت کسی کے ساتھ سیاسی اختلاف رائے کی نہیں ہوتی سیاسی اختلاف رائے کو کفر و ایمان کا معاملہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

عقیدہ ختم نبوت ملتِ اسلامیہ کے ایمانیات کا جزو ہے اسے عام سیاسی اختلاف رائے کا درجہ دینا انتہائی افسوسناک اور اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف ایک خطرناک اقدام ہے۔

بہر نوع شاہ صاحب نے بتایا کہ مولانا مظہر علی اظہر نے اپنے اس شعر اور اپنے موقف کی اس طرح وضاحت کی تھی۔ جناب ریٹائرڈ جسٹس منیر احمد صاحب کی خدمت میں جب بار بار عرض کیا گیا تھا کہ وہ تحریکِ تحفظ ختم نبوت سے متعلق ہی سوالات کا دائرہ محدود رکھیں اور دُور از کار بحثیں چھیڑ کر خواہ مخواہ تلخی پیدا کرنے اور فضا کو مزید مکدر کرنے کی کوشش نہ کریں اور دینی رہنماؤں کی تحقیر و تذلیل کا وطیرہ انہیں ترک کر دینا چاہیئے۔ مگر انہوں نے کسی کی نہ مانی اور غیر موزوں سوالات کر کے اور دُور از کار مسائل چھیڑ کر تاریخ میں کسی اچھے باب کا اضافہ

نہیں کیا ہے۔

بہرحال۔ احرار اور قائداعظم کی ذات کے بارے میں خان کابلی صاحب نے دہلی میں بیٹھ کر جو معلومات فراہم کی ہیں وہ حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ایسے مضامین کی افادیت کا کوئی پہلو نظر آتا ہے۔

پھر انہیں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ احرار اور مسلم لیگی رہنماؤں کے مابین اگر کسی وقت کچھ تلخ نوائی کا مظاہرہ ہوا ہے تو وہ انتخابی مرحلے کی بات ہے۔ الیکشنی سرگرمیوں اور انتخابی گہما گہمی کے دور میں مختلف جماعتوں کے رہنما اور کارکن ایک دوسرے کے خلاف جو باتیں کہتے اور جو زبان استعمال کیا کرتے ہیں وہ ان جماعتوں کی مستقل پالیسی کا حصہ ہرگز نہیں ہوا کرتی۔ اور نہ ہی وہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف منتقمانہ کارروائی پر کمربستہ ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ انتخابات کے بعد ساری باتیں فراموش کردی جاتی ہیں۔ پھر کوئی حزب اقتدار میں ہوتا ہے تو کوئی حزب اختلاف میں۔ اور اختلاف و تصادم کے بجائے تعاون و اشتراک کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

قائداعظم، ان کی جماعت مسلم لیگ اور مجلس احرار کے بارے میں بھی ہمیں یہی زاویۂ فکر و نگاہ رکھنا چاہئے یہ درست ہے کہ خان غازی کابلی صاحب پرانے مشہور احراری کارکن۔ اور قادیانی خاندان میں سے صرف انہیں مسلمان ہونے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ اور قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے وطن صوبہ سرحد میں رہنے کے بجائے بھارت دہلی چلے گئے۔ اور ان دنوں کسی ہندو اخبار کے رکن ادارہ ہیں۔ انہیں بھارت میں بیٹھ کر پاکستان کی دینی و ملی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور ان کے لئے تصادم کے اسباب و مواقع فراہم کرنے کے بجائے ایسی راہ اختیار کرنی چاہئے جس پر چل کر نہ صرف یہ کہ مختلف جماعتیں اور ملی تنظیمیں قریب ہوں بلکہ انہیں پاک بھارت تعلقات میں استحکام اور مفاہمت کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ نیز الحق ایسے وقیع دینی جریدے کو بھی مختلف تحریکات اور شخصیات سے متعلق صرف ایسے مضامین شریک اشاعت کرنے چاہئیں جن کی اشاعت اپنے اندر افادیت سمیٹے ہوئے ہو۔ اور قارئین کے دل و دماغ پر مفید اثرات مرتب کرنے کے موجب ہوں۔

وما علینا الا البلاغ